International Research Journal on Islamic Studies (IRJIS)
ISSN 2664-4959 (Print)
Journal Home Page: https://www.islamicjournals.com/
E-mail: tirjis@gmail.com / info@islamicjournals.com
Published by: "Al-Riaz Quranic Research Centre" Bahawalpur

اسلامی فلاحی ریاست کے اساسی تصورات اور عوامی فلاح میں اس کا کردار ریاست مدینہ کے تناظر میں

1. **Muhammad Talha Hussain**
Research Scholar
The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan
Email: hussaintalha7@gmail.com

To cite this article:
Talha, Muhammad "اسلامی فلاحی ریاست کے اساسی تصورات اور عوامی فلاح میں اس کا کردار ریاست مدینہ کے تناظر میں"
International Research Journal on Islamic Studies Vol. No. 1, Issue No. 2 (Jan 1, 2020) Pages (62–80)

Journal	International Research Journal on Islamic Studies Vol. No. 1 || January - June 2020 || P. 62-80
Publisher	Al-Riaz Quranic Research Centre, Bahawalpur
URL:	https://www.islamicjournals.com/**1-2-4**/
Journal homepage	www.islamicjournals.com
Published online:	01 January 2020
License:	© Copyright Islamic Journals 2019 - All Rights Reserved.

اسلامی فلاحی ریاست کے اساسی تصورات اور عوامی فلاح میں اس کا کردار ریاست مدینہ کے تناظر میں

By Muhammad Talha Hussain

ABSTRACT:

The natural worth of anything consists in its fitness to supply the necessities and serve the conveniences of human needs. The welfare state always strives to put in place the necessary impetus that will ensure the material and spiritual well being of people in its domain. Islamic welfare state shapes the social, economic, cultural and political engagements as a complementary whole guided by the basic principles (Sharia), to

establish a society where justice, equity, and economic prosperity are prominent, as well as rape the benefits of this life and the next. This article explains the concept of the welfare state and its basic foundations in the light of Riyast-e-Madinah, which is considered to be the first welfare state. Furthermore, this article enlights the role of the state in social welfare and humanity.

Keywords: Welfare, Islamic Welfare State, Riasat-e-Madinah

دینِ اسلام انسان کی روح اور بدن دونوں کی فلاح وصلاح اور تمام تقاضوں کی تکمیل کا پر زور داعی ہے۔ اسلام جہاں اخلاقیات کے ذریعے روح کو بالید گی عطا کرتا ہے وہیں تدبیرِ منزل اور سیاستِ مدن کا ایک مکمل اور جامع نظام وضع کرتا ہے جو انفرادی واجتماعی بدنی ضروریات کی تکمیل کا ضامن ہے۔ سیاست اقوام کی رہبری ورہنمائی کا مکمل لائحہ عمل ہے جو ان کے بنیادی حقوق کے تحفظ کی خاطر وجود میں آتا ہے۔ سیاست کے لغوی مفہوم میں ہر قسم کی کجی اور بگاڑ کی اصلاح شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالمِ دنیا میں پیدا ہونے والے ہر بگاڑ کی اصلاح کی خاطر اول البشر حاکمِ اعلیٰ کے خلیفہ اور نگران کے طور پر مبعوث ہوئے اور رفتہ رفتہ پیدا ہونے والے ہر فساد کی اصلاح کا بیڑا لے کر انبیاء کرام کی بعثت کا سلسلہ جاری رہا جس کا اختتام مصلحِ اعظم محمد ﷺ پر ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے آکر تہذیب وتمدن سے عاری اور انسانی حقوق سے نا آشنا معاشرے کی جس طور اصلاح کی زمانہ قیامت تک اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

آپ ﷺ کی قائم کردہ ریاستِ مدینہ کی تاسیس میں کارفرما اصولوں نے انسانیت کی فلاح وبہبود میں کلیدی کردار ادا کیا۔ علمی واقتصادی، سیاسی وسماجی اور عسکری ودفاعی نظام میں آپ ﷺ کی کی گئی اصلاحات نے سیاست کے میدان میں انقلاب برپا کرنے کے ساتھ ساتھ دنیا کو ایسے نظمِ سیاست سے روشناس کرایا جس میں انسانیت کی دنیاوی ترقی اور اخروی فلاح پوشیدہ ہے۔ موجودہ دور میں ان اصولوں اور اصلاحات کا جائزہ لے کر ریاست کی تشکیل اسی نہج پر ضروری ہے تاکہ حقیقی فلاحی ریاست کے قیام کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے۔ چنانچہ اس مقالہ میں ریاستِ مدینہ کے تعارف، خصوصیات اور فلاحِ عامہ میں اس کے کردار پر روشنی ڈالی جائے گی۔

1 ریاست کا مفہوم، حقیقت اور اجزائے ترکیبی

سیاست کے عملی اطلاق کے لیے ریاست کا وجود ناگزیر ہے۔ ریاست کسی بھی خطے کے افراد کے مقررہ نظم ونسق کے مطابق اور اپنے میں سے ہی کسی فرد یا جماعت کے ماتحت زندگی بسر کرنے کے باہمی عہد وپیمان کے نتیجے میں وجود میں آتی ہے۔[1] وہ مقررہ نظم ونسق نظامِ سیاست اور اس کی نگران ومحافظ قوت حکومت سے تعبیر کی جاتی ہے۔ نصیر الدین طوسی کے مطابق ریاست انسانی معاشرے کی ایک ارتقائی شکل ہے جو فرد سے خاندان، خاندان سے شہر اور شہر سے ریاست بنتی ہے اور اس کا اختتام بین الاقوامیت پر ہوتا ہے۔[2]

ریاست کی اسلامی شناخت کے لیے ضروری ہے کہ رعایا اور حکومت کا یہ تعلق مذہب کی بیڑی سے بندھا اور اس کی قانونی اساس دینِ اسلام طے ہو۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی کی عبارت اس امر پر دلالت کرتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

"اسلامی ریاست سے مراد وہ ریاست ہے جو حاکمیتِ الٰہی اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے نظام کو اس کے تضمنات کے ساتھ قائم کرنے کی داعی ہو۔"[3]

معلوم ہوا کہ حاکمیتِ الٰہی کے نفاذ میں سرگرم اور نبوی منہج پر عمل پیرا ریاست اسلامی ریاست کہلانے کی حقدار ہے۔ ریاست کی اس تعریف سے ریاست اور حکومت کا امتیاز سامنے آجاتا ہے۔ وہ محدود جغرافیائی علاقہ ریاست کہلاتا ہے جس کی حدود میں تبدیلی نہیں پائی جاتی الا یہ کہ کوئی عظیم سانحہ اس کی حدود پر اثر انداز ہو۔ اس علاقے کی رعایا جس مقتدر قوت کے زیرِ سایہ زندگی بسر کرتے ہیں اسے ہم حکومت سے تعبیر کرتے ہیں جس میں تبدیلی مقررہ نظم کے تحت وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی ہے۔ اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے درج ذیل امور ریاست کے عناصرِ ترکیبی معلوم ہوتے ہیں:

---

[1] السامرائی، نعمان عبد الرزاق، النظام السیاسی فی الاسلام، مکتبۃ الملک فہد ریاض، الطبعۃ: الثانیۃ، 2000ء، صفحہ 79

[2] الطوسی، ابو جعفر نصیر الدین محمد بن محمد، اخلاقِ ناصری، لکھنو، 1343ھ، ص82

[3] مودودی، ابو الاعلیٰ، اسلامی ریاست، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور، ص285

أ. محدود جغرافیائی خطہ

ب. آبادی اور رعایا

ج. مقتدر جماعت جسے حکومت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

د. اقتدارِ اعلیٰ

یہ عناصر ریاست کی تشکیل کے لیے لازم ہیں جن کے بغیر کسی بھی انسانی اجتماع کو ریاست یا مملکت سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اسلامی ریاست کے وجود کے لیے حاملِ اقتدار کا صاحبِ ایمان ہونا اور آئین کی تشکیل میں اسلامی نظامِ حیات کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے جس کے بغیر اسلامی ریاست کا تصور محال ہے۔

2 نقل و عقل کے تناظر میں ریاست کی اہمیت و معنویت

اسلام ریاست کے وجود کا زبردست داعی اور اس کے مکمل نظم و نسق کی خاطر زریں اصول وضع کرتا ہے۔ اسلام میں ریاست کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ باری تعالیٰ نے اپنے امر کی تنفیذِ ارضی کا جو بوجھ پیکرِ خاکی کے کندھوں پر ڈالا ہے اس کی بجا آوری بدوں سلطنت و اقتدار محال ہے کیونکہ اسلامی معاشرے کے بہت سے مصالح کی تکمیل، اعلائے کلمۃ اللہ اور اجرائے حدود بدوں اقتدار ممکن نہیں۔ چنانچہ فقہ اسلامی کے ایک قاعدے "جس چیز کے بغیر واجب پورا نہ ہو وہ چیز بھی واجب ہے"[4] کی رو سے ریاست کا وجود ناگزیر ہے۔ ریاست و حکومت کی اہمیت کے پیشِ نظر اسے اسلام کا جڑواں بھائی قرار دیا گیا ہے کہ دونوں کی اصلاح اور ترقی ایک دوسرے پر منحصر ہے۔

"الإسلام والسلطان أخوان توأمان لا يصلح واحد منهما إلا بصاحبه فالإسلام أس والسلطان حارس وما لا أس له يهدم وما لا حارس له ضائع"[5]

"اسلام اور حکومت جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔ اسلام کی مثال عمارت اور حکومت کی نگہبان کی ہے۔ جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ گر جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو وہ لوٹ لیا جاتا ہے۔"

شرعی احتیاج کے علاوہ عقل بھی ریاست کی ضرورت پر زور دیتی ہے۔ انسانی معاشرہ افراد کا ایسا ہجوم ہے جس میں ماحول و مزاج کا اختلاف ضروریات، مفادات اور ترجیحات کے ٹکراؤ کو جنم دیتا ہے۔ یہی ٹکراؤ مستقبل میں تنازعات کا باعث ہو کر معاشرتی راحت و سکون غارت کرتا ہے۔ یہ عوامل جملہ امور کی محافظ ایسی مقتدر قوت کا تقاضا کرتے ہیں جس کی طرف بوقتِ تنازع رجوع کیا جائے اور وہ افراد کے حقوق و فرائض کا تعین کرے۔ اس قوت و اقتدار کو ہم ریاست و حکومت سے تعبیر کرتے ہیں جس کے بغیر معاشرہ ادھورا اور غیر مستحکم رہتا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ریاست کی اہمیت کے بارے رقمطراز ہیں:

"جب شہروں قصبوں کی بنیاد پڑتی ہے تو بغیر کسی حاکم کے باہمی تنازعات کا رونما ہونا لازمی ہے۔ اگر ہر شخص اپنے معاملات خود طے کرنے لگے تو کوئی کسی کے آلام کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ ان حالات میں باہمی زندگی بسر کرنے کے لیے اصول و قیود اور ایک دوسرے پر حدود خود بخود پیدا ہوتے ہیں اور یہی نظام ترقی کر کے ریاست کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔"[6]

معلوم ہوا کہ جبر و استبداد کے خاتمے اور معاشرتی عدل و انصاف کے فروغ کے لیے ریاست اور حکومت کا وجود ضروری ہے۔ اسی بنا پر مشہور مؤرخ ابن خلدون اپنی کتاب "المقدمۃ" میں ریاست اور نظامِ حکومت کی ضرورت پر زور دیتے نظر آتے ہیں۔[7]

---

[4] محمود احمد غازی، قواعد کلیہ اور ان کا آغاز و ارتقاء، شریعہ اکیڈمی اسلام آباد، طبع دوم، 2014ء، صفحہ 150

[5] السیوطی، عبد الرحمٰن بن أبی بکر، جلال الدین، جامع الاحادیث، الھمزۃ مع الیاء، رقم الحدیث 1056

[6] الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد، احیاء علوم الدین، مصطفی البابی الحلبی مصر، 1939ء، ج2، ص109

[7] ابن خلدون، عبد الرحمن، المقدمۃ، مطبعۃ لجنۃ البیان مصر، 1965ء، ج2، ص422

3 فلاح کے اسلامی وغیر اسلامی تصور کا موازنہ

مقصود ومطلوب کو پالینے اور سعادت مندی کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے عربی میں فوز، نجاح اور فلاح سمیت متعدد الفاظ مستعمل ہیں۔ بعض الفاظ کامیابی کے کسی ایک پہلو کو شامل ہیں تو دیگر بعض کسی دوسرے پہلو کا احاطہ کرتے ہیں۔ تاہم فلاح کا لفظ کثیر جہتی مفہوم کا حامل اور اسلام کے نظریہ نجات سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔ نجات وکامرانی کے دیگر تصورات محض دنیاوی سعادت مندی ونیک بختی تک محدود ہیں لیکن اسلام کا حیات بعد الممات کا تصور عالمِ آخرت میں بھی کامیابی وکامرانی کی ضرورت پر زور دیتا ہے۔ فکرِ اسلامی میں فلاح کا اطلاق ایسی کامیابی پر ہوتا ہے جس کے بعد کسی قسم کی ناکامی، محرومی یا نقصان کا اندیشہ نہ رہے۔ دنیاوی زندگی میں مال ودولت، اولادواحفاد، عزت وشرف کامیابی وکامرانی کی علامت ہے تو آخرت میں دخولِ جنت کامیابی کی حتمی شکل کیونکہ جہنم سے بچ کر جنت میں داخل ہو جانا ہی وہ مقام ہے جس پر تمام قسم کے نقصان ومحرومی کے خدشات دم توڑ جاتے ہیں۔ اس قسم کی فلاح کا حصول ایمان مع عمل سے مشروط ہے جو کہ کسی ایک کے بغیر ناممکن ہے۔ فلاح کے اسی تصور کو واضح کرتے ہوئے امام راغب اصفہانی فلاح کو دو قسموں میں منقسم کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:

"الفلاح الظفروادراک البغیة وذلک ضربان دنیوی واخروی فالدنیوی الظفربالسعادات التی تطیب بہاحیاۃالدنیاوہوالبقاوالغنی والعزوفلاح اخروی وذلک اربعة اشیاء بقاء بلافناء وغنی بلافقروعز بلاذل وعلم بلا جہل"[8]

"فلاح کامیابی اور مقصود کو پالینا ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ دنیاوی واخروی۔ دنیاوی فلاح ان تمام سعادتوں کو پالینے کا نام ہے جن کے ذریعے دنیاوی زندگی خوشگوار بنتی ہے یعنی مال ودولت اور عزت اور اخروی فلاح چار چیزوں کا نام ہے۔ بقابلا فنا، غنابلا فقر، عزت بلا ذلت اور علم بلا جہل۔"

معلوم ہوا کہ دیگر تصورات کی بنسبت اسلام میں فلاح کا تصور وسیع اور دارین کی کامیابی کو محیط ہے۔ اس لیے ہر وہ امر جو دنیاوی راحت وسکون کے ساتھ ساتھ اخروی اجر وثواب کا باعث ہو وہ فلاح کا موجب قرار پائے گا۔ فلاح کا یہ تصور ایک ایسے معاشرے کے قیام کی ضرورت پر زور دیتا ہے جہاں فرد صرف اپنی فلاح کا فکر مند نہ ہو بلکہ اخلاقیات کے اعلیٰ معیار پر قائم ہوتے ہوئے اجتماعی اور معاشرتی فلاح کے حصول میں اپنا کردار ادا کرے۔ افراد کے ساتھ اپنا رویہ فلاحی بنیادوں پر استوار کیے بغیر اخروی فلاح کا حصول نہ تو یقینی ہے اور نہ ہی اسلام اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

4 حصولِ فلاح کی جہات اور دائرہ کار

دارین میں کامیابی وکامرانی کے کچھ تقاضے ہیں جن کو پورا کیے بغیر کامل فلاح کا تصور ادھورا ہے۔ یہ تقاضے نہ صرف فلاحی جہات کا تعین کرتے ہیں بلکہ افراد کو اس بات کا پابند بناتے ہیں کہ ان تمام جہات میں انفرادی واجتماعی فلاح کے حصول میں کوشاں رہیں۔ فلاحی ریاست کی تشکیل بھی انہی تقاضوں کی تکمیل کی خاطر عمل میں لائی جاتی ہے۔ ذیل میں انہیں بیان کیا جاتا ہے۔

4.1 فلاح کی روحانی جہات

دینِ اسلام کا بتایا ہوا ضابطہء اخلاق ہی روح اور جسم کی بالیدگی اور نشوونما کا ضامن ہے۔ روح کی پاکیزگی اور نورانیت کی خاطر اسلام بہت سے ایسے اوصاف اپنانے کا درس دیتا ہے جو خالق سے تعلق استوار کرنے کے ساتھ ساتھ انسانی شخصیت کو جلا بخشتے اور کردار کو بلندی عطا کرتے ہیں۔ ان اوصاف کی فہرست میں صدق ووفا، جود وسخا، صبر وشکر، امانت ودیانت اور عفو ودرگزر سمیت تمام اخلاقِ حسنہ شامل ہیں جن پر عمل پیرا ہونا اور ان کی اضداد سے بچنا تمام مسلمانوں کے لیے بالعموم اور انتظامِ ریاست سے وابستہ افراد کے لیے بالخصوص ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر فلاحی مملکت کی بنیاد مستحکم وپائیدار نہیں ہو سکتی۔ امام الماوردی لکھتے ہیں:

"فحق علی ذی الامرة والسلطان ان یہتم بمراعاۃاخلاقه واصلاح شیمه لانہاالةسلطانه واس امراته"[9]

"حاکم وبادشاہ پر لازم ہے کہ وہ اپنے اخلاق وعادات کی اصلاح کا اہتمام کرے کیونکہ یہ اس کے غلبہ کا ذریعہ اور حکومت کے لیے بنیاد ہے۔"

---

[8] الراغب الاصفہانی، مفردات الفاظ القرآن، دار القلم دمشق، طبع رابع، 2009ء، ص644

[9] الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد، نصیحۃ الملوک، دار النھضۃ بیروت، ص150

معلوم ہوا اخلاقی اقدار حاکمِ وقت کے لیے رسوخ اور دوام کا ذریعہ ہے۔ اخلاقی فلاح کے حصول کا تقاضا ہے کہ مملکت اخلاقیات کی ترویج واشاعت اور فساد، بدامنی، فحاشی و عریانی سمیت تمام اخلاقی برائیوں کے انسداد کے لیے عملی اقدامات کرے تاکہ رعایا اسلام کی اصل روح سے بہرہ ور اور ثمرات سے مستفید ہو سکے۔

4.2 فلاح کی علمی جہات

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر فلاح کو ایمان و عمل سے مشروط کیا گیا ہے اور علم کے بغیر عمل کو استناد کا درجہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ علم و عمل کا یہ التزام اس حقیقت پر منتج ہوتا ہے کہ علم کے بغیر انسان کی فلاح ممکن نہیں۔ اسی بنا پر حصولِ علم کو شرعی فریضہ قرار دیا گیا ہے۔[10] اس فریضہ سے وابستہ افراد اپنی سیرت و کردار کی بنا پر معاشرے کے لیے رحمت اور نفع رسانی کا سبب بنتے ہیں۔ نزولِ وحی کا آغاز "اقرا" سے کرنے میں بھی علم کی اہمیت کی طرف لطیف اشارہ ہے۔

فلاح کے علمی تقاضوں میں رعایا کی مذہبی اور عصری تعلیم کا اہتمام، تعلیمی اداروں کا قیام اور ایسے نصاب کی تشکیل شامل ہیں جو نظریہ اسلام سے ہم آہنگ اور عصری ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہو۔ اس کے علاوہ تعلیمی اخراجات کا قابلِ برداشت ہونا کہ کوئی بچہ یا فرد علم کی روشنی سے محروم نہ رہ جائے اور بعد از تعلیم فنی تربیت بھی ایک اہم تقاضا ہے جس کی تکمیل حصولِ روزگار میں معاون ہے کیونکہ اس کی بدولت معاشرے کو ایسے افراد میسر آتے ہیں جو اپنی صلاحیت و قابلیت کی بنا پر ریاستی استحکام اور اجتماعی فلاح و بہبود کا ذریعہ بنتے ہیں۔

4.3 فلاح کی اقتصادی جہات

عالمِ فانی میں انسان کی فلاح بنیادی ضروریات کی تکمیل کے بغیر ادھوری ہے اور بنیادی ضروریات کا حصول مال و زر کے بنا ناممکن۔ اسلام چونکہ عالمِ انسانیت کی اجتماعی فلاح و بہبود کا زبردست حامی ہے اس لیے معاشرہ کی معاشی صورتحال کو بہتری کی جانب گامزن کرتے ہوئے ایسے زریں اصول فراہم کرتا ہے جن کی بدولت معاشرے سے غربت، افلاس اور بیروزگاری کا خاتمہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں مال کو جہاں خیر سے تعبیر کیا گیا ہے[11] وہیں حیاتِ انسانی کے قوام و دوام کا ذریعہ بتلا کر ناسمجھ افراد کے حوالے کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔[12]

اقتصادی فلاح کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے میں معاشی مساوات قائم کی جائے۔ ایسے عوامل کی روک تھام کی جائے جن کی وجہ سے دولت چند افراد کے ہاتھوں سمٹ کر رہ جائے اور اس کے ثمرات سے لوگ مستفید نہ ہو سکیں۔ ترقی کے محرک کو کچلنے کی بجائے فردی ملکیت کا احترام اور اقتصادی مسابقت کی فضا برقرار رکھی جائے تاکہ معاشرے کے تمام افراد کو ضروریات با آسانی دستیاب ہوں۔ معاشرے کے نادار افراد کی کفالت اور بے روزگار افراد کے لیے روزگار کے مواقع پیدا کرنا بھی ریاست کی معاشی ذمہ داریوں میں شامل ہے کیونکہ بیروزگاری کی شرح میں اضافہ معاشی عدمِ استحکام کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان بھی ہے کہ:

"کادالفقران یکون کفرا"[13]

"قریب ہے کہ غربت کفر کا سبب بن جائے۔"

کفر ابدی خسران کا سبب اور اس کا انسداد حصولِ فلاح کی طرف پہلا قدم ہے۔ اس بنا پر غربت کا خاتمہ اور عملی اقدامات ایسا معاشی تقاضا ہے جو معاشرتی استحکام کے ساتھ ساتھ دارین کی فلاح کا موجب بھی ہے۔ کوئی بھی ریاست اس تقاضے کی تکمیل کے بغیر فلاحی مملکت کے تصور پر پورا نہیں اتر سکتی۔

---

[10] ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، دارالحضارۃ للنشر والتوزیع ریاض، طبع ثانی، رقم الحدیث 224

[11] سورۃ العادیات:8

[12] سورۃ النساء:5

[13] الذہبی، محمد بن احمد، میزان الاعتدال، دارالمعرفۃ بیروت،، ط س ن، ج4، ص416

4.4 فلاح کی سیاسی و سماجی جہات

ہر وہ ضرورت جس پر انسانی زندگی کا انحصار ہو بنیادی ضرورت کہلاتی ہے اور اس لائق ہے کہ اسے احسن طریقے سے پورا کیا جائے۔ ان ضروریات کی فہرست میں کئی چیزیں شامل ہیں تاہم قرآن کے مطالعہ سے خوراک، لباس اور رہائش اولین بنیادی ضروریات معلوم ہوتی ہیں۔[14] اس کے علاوہ روزگار اور صحت کی سہولیات کا شمار بھی بنیادی ضروریات میں ہوتا ہے۔ چونکہ اخلاص و تقویٰ کے سوا ہر امتیاز کی نفی اسلام کے نظریہ قومیت کا خاصہ ہے[15] اور یہ تصور سماج میں ہر فرد کو مساوی مقام و مرتبہ دینے کا پابند بناتا ہے۔ اس لیے عوام کو بلاامتیاز بنیادی ضروریات اور شہری حقوق کی فراہمی، حکومتی فرائض میں کوتاہی اور بد دیانتی کی صورت میں عوامی احتساب کے حق کا حصول سماجی فلاح کی اصولی جہت ہے۔ اسی طرح عوام الناس کے علمی و فکری معیار کو بہتر بنانا، ان کی تخلیقی و تعمیری صلاحیتوں کو نکھارنا، رویوں میں مثبت تبدیلی لانا اور امداد باہمی کی فضا برقرار رکھنا بھی مملکت کی سیاسی اور سماجی فلاح کی علامت ہے۔

فلاح کی یہ تمام جہات باہم مربوط اور کلی فلاح کے لیے ہر ایک کی بدرجہ اتم تکمیل ضروری ہے جس کے بغیر کوئی بھی ریاست فلاحی مملکت کا روپ نہیں دھار سکتی۔ ان جہات پر عمل پیرا ہونے سے ہی فلاحی مملکت کا تصور واضح ہو گا جس کے اہداف و مقاصد کی نشاندہی قرآن و سنت میں کی گئی ہے۔

5 مملکت کا فلاحی تصور اور اس کے اہداف

انفرادی فلاح کے ساتھ ساتھ اسلام معاشرتی و سماجی فلاح و بہبود کا بھی زبردست داعی ہے۔ معاشرے کی منظم شکل ریاست کی فلاحی بنیادوں پر تشکیل کا حکم دیتا ہے۔ اسلام در حقیقت ترقی و خوشحالی کا ایسا مستحکم نظام چاہتا ہے جس میں ہر فرد کی لازمی ضروریات بطریقِ احسن پوری ہوں۔ اس لیے رعایا کی بنیادی ضروریات کی تکمیل اور تمام امور میں فلاح و بہبود کا قیام فرائض میں شامل کر کے ایسی ریاست کو فلاحی ریاست و مملکت سے تعبیر کرتا ہے جو معاشرے کی تعمیر و ترقی کی ضامن اور ہمہ قسم کے ظلم و استحصال کا سدباب کرتی ہو تاکہ اسلامی مملکت کے افراد پر امن و پر سکون زندگی بسر کریں اور زمین جنتِ ارضی کا نمونہ پیش کرے۔

انسانیت کی فلاح کی خاطر وجود میں آنے والی مملکت کے اہداف و مقاصد بھی منجانبِ الٰہی طے شدہ ہوتے ہیں۔ خالقِ کائنات نے مملکت کے قیام کو اگر شرعی فریضہ قرار دیا ہے تو اہداف کی نشاندہی بھی فرمائی ہے تاکہ انتظامِ ریاست سے وابستہ افراد تمام وسائل اور مساعی ان اہداف کے حصول میں صرف کریں تاکہ مملکت کا فلاحی پہلو اجاگر ہو۔ قرآن میں انبیاء کی بعثت کا بنیادی مقصد اجتماعی عدل قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

"لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔"[16]

"ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور میزانِ عدل تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔"

معلوم ہوا کہ معاشرے میں عدل و انصاف کی ترویج کے لیے الہامی ذرائع بروئے کار لائے گئے ہیں۔ اسی طرح اہلِ ایمان کی امتیازی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ اقتدار ملنے کی صورت میں دین کے قیام، نیکی کی ترویج اور برائی کے سدباب میں کوشاں رہتے ہیں۔

"الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ۔"[17]

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں حکومت دیں تو نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں۔"

اقامتِ دین دراصل دین کی حفاظت اور اس کے عملی نفاذ کا نام ہے۔ چنانچہ ہر وہ قدم قابلِ ستائش و تقلید ہے جو انجام کار دین کے قیام کا سبب بنے۔ ان اقدامات میں دینِ اسلام کی تعلیم و تبلیغ، نشر و اشاعت اور اس پر لگائے گئے اعتراضات کا ازالہ اہم ہیں۔ اسی طرح کسی بھی معاشرے میں دین کے عملی نفاذ کے لیے حدود و شعائر پر اعلانیہ عمل درآمد معیار قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ان امور پر عمل پیرا ریاست کو حقیقی مقاصد کی جانب گامزن ریاست قرار دیا جا سکتا ہے۔

---

14 سورۃ طہٰ:119,118

15 سورۃ الحجرات:13

16 سورۃ الحدید:25

17 سورۃ الحج:41

دین ودنیا کا امتزاج اور دونوں میں کامیابی کے لیے دعا اور عمل میں مصروف رہنا اسلام کی واضح تعلیم ہے۔ چنانچہ اسلامی فلاحی مملکت کے مقاصد میں ان اہداف کا حصول بھی اہم مقام رکھتا ہے جن کا تعلق عوام الناس کی دنیاوی ضروریات سے ہے۔ ان کی دستیابی سہولت اور عدمِ دستیابی تنگی کا باعث بنتی ہے۔ ان مقاصد کے اصول تو قرآن وسنت میں واضح ہیں البتہ عملی تطبیقات اربابِ حل وعقد کو سونپ دی گئی ہیں کہ اپنے زمان ومکان کے لحاظ سے طے کریں۔ چنانچہ خلوصِ نیت اور جملہ اسلامی تعلیمات ان کے حصول میں پیشِ نظر رہیں تو دنیاوی زندگی پر سکون اور اخروی اجر کا حصول یقینی ہے۔ دنیاوی مقاصد کی لگی بندھی کوئی حد نہیں۔ حالات وواقعات کے مطابق ان میں تغیر وتبدل عین ممکن ہے۔ البتہ معاشرتی عدل وانصاف، قانونی مساوات، رفاہِ عامہ، خدمتِ خلق اور رعایا کی کفالت زیادہ اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ ملکی استحکام اور معاشرتی فلاح میں ان عناصر کا کردار ناقابل انکار ہے۔

6 ریاستِ مدینہ کا تعارف، خصوصیات اور فلاحِ عامہ میں اس کا کردار

ریاستِ مدینہ کی تاسیس سے لے کر اسکی توسیع اور استحکام آپ ﷺ کی سیاسی بصیرت اور حسنِ انتظام کا بہترین نمونہ ہے۔ آپ ﷺ نے قبائلی تفرقات اور نسلی تعصبات کے شکار عرب معاشرے کو منظم اجتماعیت سے روشناس کرایا اور تہذیب وتمدن سے ناآشنا قوم کو تمدنی طور پر بے مثال مقام عطا فرمایا۔

آپ ﷺ کے لازوال طرزِ حکمرانی نے اندرونی وبیرونی طور پر منتشر یثرب کو دنیا کی بہترین فلاحی ریاست میں تبدیل کیا۔ ریاستِ مدینہ کے پس منظر، بنیادی خصوصیات اور آپ ﷺ کی سیاسی حکمتِ عملی کو سمجھے بغیر سیاست کے میدان میں آپ ﷺ کی دوراندیشی اور حکمت وبصیرت کا صحیح معنوں میں اندازہ نہیں لگایا جاسکتا اس لیے آئندہ سطور میں انہی خطوط پر ریاستِ مدینہ کا تفصیلی جائزہ لیا جاتا ہے۔

6.1 ریاستِ مدینہ کا پس منظر

آپ ﷺ کی سیاسی بصیرت کی ایک جھلک اہلِ عرب حلف الفضول اور حجرِ اسود کی تنصیب کے موقع پر دیکھ چکے تھے تاہم ایک قائد وحکمران کی امتیازی حیثیت سے شناخت کے لیے ایک الگ جغرافیائی خطے کی ضرورت تھی جو بعد از ہجرت سرزمین یثرب کی شکل میں پوری ہوئی۔ یثرب میں مشرکین کے دو قبائل اوس اور خزرج آباد تھے جو ہجرت سے دو برس قبل بیعت عقبہ اولی وثانیہ کے موقع پر مسلمان ہوئے اور آپ ﷺ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی۔ سیاسی طور پر اہلیان یثرب ریاست وحکومت کے تصور سے بالکل ناواقف تھے۔ معمولی سی بات پر سالوں جنگ کا سلسلہ چلتا رہتا جس کا نتیجہ جانی ومالی نقصان کی صورت میں نکلتا۔ اوس اور خزرج کی باہمی جنگی صورتحال کا فائدہ اٹھا کر مضافاتِ مدینہ میں آباد یہود قبائل معیشت پر پوری طرح قابض تھے۔ نورِ ایمان سے منور ہونے کے بعد اور باہمی خانہ جنگی سے تنگ آکر اوس وخزرج مشترک حکومت کے قیام پر متفق اور بطور قائد عبد اللہ بن ابی کا نام تجویز کر چکے تھے تاہم حکومت کے قیام کو ابھی حتمی شکل نہ ملی تھی کہ آپ ﷺ اصحاب کے ہمراہ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے اور اہلِ یثرب نے آپ ﷺ کو قائد تسلیم کر کے نظم ونسق حوالے کر دیا۔ یوں آپ ﷺ نے اہلِ مدینہ کے اقدامات کو حتمی شکل دے کر ریاست کی تشکیل مکمل فرمادی۔

آپ ﷺ کی آمد سے قبل اور بعد کی صورتحال میں درج ذیل فروق سامنے آتے ہیں:

أ. ریاست کی تشکیل محض سماجی وعلاقائی ضرورت سے ہٹ کر نظریہ وعقیدہ کی بنیاد پر عمل میں لائی گئی۔ دینِ اسلام میں داخل یا اس کے زیرِ سایہ آنے والے ہر فرد کو ریاست کا باشندہ قرار دے کر ایک عالمگیر ریاست کی بنیاد رکھی گئی۔

ب. عبد اللہ بن ابی کی بجائے آپ ﷺ کو متفقہ طور پر قائد وحکمران تسلیم کر لیا گیا جس کا ملال عبد اللہ بن ابی کو آخر دم تک رہا۔

ج. ہجرت کے بعد مدینہ کی رعایا چار گروہوں پر مشتمل ہو گئی۔ مکہ سے آنے والے مہاجرین، ان کی نصرت کی بنا پر انصار کا لقب پانے والے مدینہ کے اصل باشندے یعنی اوس وخزرج، اطراف میں آباد یہود اور عبد اللہ بن ابی کے ہم نوا جو اصلاً مشرک تھے تاہم معاشرتی دباؤ کے بسبب اسلام ظاہر کرتے اور پس پردہ سازشوں میں مصروف رہتے۔ انہیں منافقین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اول الذکر دو گروہ اہلِ ایمان جبکہ آخر الذکر دو گروہ نظریاتی طور پر آپ ﷺ کے مخالف تھے لیکن ایک مستحکم ریاست کے قیام کے لیے سب کو اعتماد میں لینا نہایت ضروری تھا۔ آپ ﷺ نے سیاسی تدبر وحکمت کی بدولت تمام مسائل کو بطریقِ احسن حل کیا اور ایک بہترین اور مثالی فلاحی ریاست کی بنیاد رکھی جس نے دس برس کے عرصے میں پورے جزیرۃ العرب کو اپنے حصار میں لیا اور آنے والے دور میں اس کی حدود تین براعظموں تک پھیل گئیں۔

6.2 ریاستِ مدینہ کی خصوصیات اور بنیادی اصول

اسلامی نظامِ سیاست ریاست کی تشکیل کے لیے چند زریں اصول فراہم کرتا ہے جن کو ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ ان اصولوں پر عمل کے نتیجے میں ریاست کی منفرد پہچان اور اسلامی تشخص واضح ہوتا ہے۔ عصرِ حاضر میں انہی اصولوں کی بنیاد پر فلاحی ریاست کی تشکیل ممکن ہے۔ ریاستِ مدینہ کی تشکیل میں کارفرما اصولوں کا مختصر جائزہ حسبِ ذیل ہے۔

6.2.1 حاکمیتِ اعلیٰ اور نیابتِ ارضی کا اصول

علمِ سیاست کی اصطلاح میں یہ لفظ اقتدارِ اعلیٰ یا اقتدارِ مطلق کے معنی میں مستعمل ہے۔ اس حیثیت کے حامل فرد یا جماعت کو لامحدود اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ افراد اس کی غیر مشروط اطاعت کے پابند اور ان کے حقوق اسی کے مرہونِ منت ہوتے ہیں جنہیں وہ جب چاہے سلب کر سکتا ہے۔ وہ تمام قوانین سے ماوراء اور اس کا حکم دوسروں کے لیے قانون کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کے اپنے ارادہ کے سوا کوئی خارجی امر یا طاقت اس کے اختیارات کو سلب یا محدود نہیں کر سکتی۔[18]

دیگر نظامہائے سیاست میں یہ مقام کسی فردِ واحد یا جماعت کو حاصل ہوتا ہے لیکن حاکمیت کا مفہوم اور خصوصیات اس امر سے مانع ہے کہ یہ مقام فردِ واحد یا کسی جماعت کے لیے تسلیم کیا جائے۔ اسلامی نظریہ حیات کے مطابق یہ مقام صرف باری تعالیٰ کو حاصل ہے۔ چونکہ وہی خالقِ کائنات ہے اس لیے زمین و آسمان میں حکومت و بادشاہت اسی کو زیبا ہے۔ کلی اقتدار و اختیار کا مالک، غیر جوابدہ اور تمام عیوب سے منزہ و مقدس ذات اسی کی ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں۔

☆ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ۔[19]

"جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔"

☆ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ۔[20]

"جو چاہتا ہے سو کر ڈالتا ہے۔"

☆ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ۔[21]

"حقیقی بادشاہ، ہر عیب سے پاک، سلامتی دینے والا۔"

کائنات کی تخلیق اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس کا نظم و نسق خالق کی ہی مرضی سے طے ہو۔ جس طرح مافوق العادۃ امور اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق طے پاتے ہیں اسی طرح ماتحت العادۃ امور اس لائق ہیں کہ اسی کی منشا کے مطابق طے کیے جائیں۔ چنانچہ حاکمیت و اقتدارِ اعلیٰ کے غلبہ اور نفاذ کی خاطر انسان کو بطور خلیفہ و نائب پیدا کیا گیا ہے جو جملہ قوانین کا پابند اور الٰہی احکام کی تنفیذ کے لیے حاکمِ اعلیٰ کا دیا ہوا اختیار اس کے حکم و منشا کے مطابق استعمال کر سکتا ہے۔ اس اصول کو خلافتِ ارضی سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کا وعدہ شروع ہی سے تمام نیکوکاروں سے رہا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

"وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔"[22]

"اور جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنادے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو بنایا تھا۔"

آیت میں ایمان و عملِ صالح کے وصف سے متصف افراد کی حکومت کو خلافت سے تعبیر کرنے میں اس امر کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ ان کو حاصل قوت و اقتدار عطیہ خداوندی ہے جس کا استعمال اسی کے احکام کے مطابق لازم ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر محمد ﷺ تک تمام انبیاء اللہ تعالیٰ کے نائب

---

[18] سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی ریاست، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ص 334

[19] سورۃ المومنون: 88

[20] سورۃ البروج: 16

[21] سورۃ الحشر: 23

[22] سورۃ النور: 55

اور نمائندہ ہونے کی حیثیت سے جلوہ افروز ہوئے اوران کے بعد یہ خلافت اربابِ حل وعقد کو حاصل ہے جنہیں "اولی الامر منکم" سے تعبیر اوران کی اطاعت کا حکم دیا گیاہے۔[23] تاہم ان کا ہر غیر شرعی حکم واجب الرد ہو گا کیونکہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت کی کوئی حیثیت نہیں۔[24] خلافتِ ارضی کے اس اصول کی بناپر اسلامی ریاست کے سربراہ کو نیابتِ رسول حاصل ہوتی ہے جس کا تقاضاہے کہ سربراہِ مملکت اپنے اختیارات شریعت کے دائرے میں رہ کر ہی استعمال کر سکتاہے۔ قانون سازی ہو یا قانون پر عمل کسی مرحلہ پر شریعت کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

6.2.2 شورائیت وجمہوریت کا حسین امتزاج

شوریٰ دراصل عوامی رائے کے اظہار کا نام ہے۔امام راغب اصفہانی کی صراحت کے مطابق شوریٰ کا مقصد یہ ہے کہ عامۃ الناس کی رائے معلوم کی جائے۔[25] یہی اصول معاصر پارلیمانی نظام کی بنیاد ہے جس کی داغ بیل اسلام تب ڈال چکا تھا جب یورپ جمہوریت اور پارلیمنٹ کے مفہوم سے بھی ناآشنا تھا۔ اسلامی نظامِ سیاست میں نہ تو مشورہ کی اہمیت کا انکار ممکن ہے اور نہ ہی ریاستِ مدینہ کے نظم ونسق میں یہ اصول فراموش نظر آتا ہے۔اسلام میں مشورہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتاہے کہ قرآن مجید میں ایک مکمل سورت کو "الشوریٰ" کے نام سے موسوم کیا گیاہے۔ باری تعالیٰ کا آپ ﷺ کو اصحاب سے مشورہ کا حکم دینا[26] اوراصحاب کا باہمی طریق مشاورت بیان کرنا اس کی اہمیت پر دال ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَأَمۡرُهُمۡ شُورَىٰ بَيۡنَهُمۡ۔[27]

"اوراپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں۔"

حکمِ الٰہی کی تعمیل میں ریاستِ مدینہ کے دفاعی، سیاسی، سماجی واقتصادی معاملات مجلسِ شوریٰ کے مشورے سے طے کیے جاتے رہے باوجود اس کے کہ وحی کی رہنمائی حاصل ہونے کی بناپر آپ ﷺ کو مشورہ کی ضرورت نہ تھی۔ آپ ﷺ کے بعد خلفاءِراشدین رضی اللہ عنہم کا تقرر باہمی مشورہ ہی سے ہوا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ کے تعین کے لیے جن چھ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کی کمیٹی بنائی تھی انہیں یہ ہدایت تھی کہ اگر آراء برابر ہوں تو باہم مشورہ سے فیصلہ کرنا اور اگر چار ایک طرف اور دو ایک طرف ہوں تو اکثریت کے مطابق عمل کرنا۔[28] یہ امر مشورہ اور جمہوریت کے امتزاج کا پتہ دیتاہے۔ اسی طرح قانون سازی کے عمل میں بھی شورائیت وجمہوریت دیکھنے کو ملتی ہے۔ قرآن وسنت اصل قانون لیکن جن چیزوں کے بارے خاموش وہاں امیر کے اجتہاد کو قانون کا درجہ قبولیتِ عامہ کی صورت ہی حاصل ہوتاہے جو کہ جمہوریت کی ایک شکل ہے۔ حق وباطل کی تعیین اور شریعت کے واضح مسائل میں اگرچہ جمہوریت کا کوئی اعتبار نہیں لیکن مباح اور مجتہد فیہا امور میں کثرتِ رائے کا اعتبار نہ صرف محمود بلکہ اسوہ متقدمین سے ثابت ہے۔

اس گفتگو سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتاہے کہ اسلامی ریاست میں صاحبِ اقتدار اپنے آپ کو عقلِ کل سمجھنے کی بجائے اربابِ حل وعقد سے مشورہ کے ذریعے ملکی معاملات طے کرے۔ ایسا کرنے سے اللہ کی مدد شاملِ حال ہوتی ہے اور کسی بھی معاملے کے متعدد پہلو سامنے آتے ہیں جن میں سے بہتر کا چناؤ آسان اور ممکن ہوجاتاہے۔

6.2.3 معیارِ قیادت واہلیت اور تفویضِ اختیارات

ریاستِ مدینہ کی ایک امتیازی خوبی قیادت واہلیت کا اعلیٰ معیار قائم کرناہے۔ اہلِ اسلام کا قائد ان کا بہترین اور فہم وفراست، تقویٰ وللّٰہیت اور صلاحیت کے لحاظ سے فائق تر فرد ہوتا تھا جس کا ہر عمل امت کی فلاح وصلاح کی ضمانت سمجھی جاتی تھی۔ خلفاءِراشدین رضی اللہ عنہم کے ورع وتقویٰ مثالیں تاریخ میں موجود ہیں کہ کس طرح اپنی ذات کو پسِ پشت ڈال کر امت کی نفع رسانی میں کوشاں رہتے۔ تمام قسم کے تعیشات بالائے طاق رکھ کر سادگی کی اعلیٰ مثال قائم

---

[23] سورۃالنساء:59

[24] ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب الجہاد، باب لاطاعۃ فی معصیۃ اللہ، رقم 2865

[25] الراغب الاصفہانی، مفردات الفاظ القرآن، ص470

[26] سورۃ آل عمران:159

[27] سورۃالشوریٰ:38

[28] محمد تقی عثمانی، اسلام اور سیاسی نظریات، مکتبہ معارف القرآن کراچی، 2010ء، ص264

کیں۔دن کو نظمِ حکومت اور رات کو عبادت کا اہتمام ان کا روز مرہ کا شعار تھا۔یہی وجہ ہے کہ خدائی مدد کے بل بوتے ایک فلاحی معاشرے کے قیام میں کامیاب ہوئے۔

قیادت کا اعلیٰ معیار طے کرنے کے بعد تفویضِ اختیارات ریاست کی تشکیل کا ایک اہم اصول رہا ہے۔تفویضِ اختیارات کا مطلب یہ ہے کہ حاملِ عہدہ ان امور اور معاملات میں آزادانہ تصرف کا حقدار ہو اور وظائف کی ادائیگی میں ہر وقت امیر کی اجازت کا منتظر نہ ہو جو اسے بطور نیابت سربراہِ مملکت کی جانب سے حاصل ہوئے ہیں۔ریاستی نظم و نسق مقرر و معہود طریق پر رواں دواں رہنا معاشرتی عدل و انصاف، مساوات، حریت اور بنیادی ضروریات کی تکمیل کا باعث ہے تو دوسری جانب ریاستی امور میں تعطل معاشرے کی زبوں حالی کی عکاسی کرتا ہے۔وقت کی قلت، مسائل کا اژدہام اس بات کا متقاضی ہے کہ حاکمِ وقت اپنے اختیارات نچلی سطح تک منتقل کرے اور ہر ایک اپنے اپنے دائرہ کار کی حد تک امور کی انجام دہی یقینی بنائے۔وزیر یا معاونِ کار کے تقرر کا اشارہ موسیٰ علیہ السلام کی باری تعالیٰ سے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو شریکِ کار بنانے کی درخواست سے ملتا ہے۔[29] الماوردی تفویضِ اختیارات کی اہمیت کے بارے لکھتے ہیں:

"و لان ما وکل به الی الامام من تدبیر الامة لا یقدر علی مباشرة جمیعه الا بالاستنابة ، و نیابة الوزیر المشارک له فی التدبیر اصح فی تنفیذ الامور من تفرده بها ، لیستظهر به علی نفسه ، و بها یکون ابعد من الزلل ، و امنع من الخلل"[30]

"امت کا نظم و نسق چلانے کے لیے امام پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں بدوں نیابت ان کی ادائیگی ممکن نہیں۔شریک کار وزیر کو نائب بنا کر اختیار سونپنا زیادہ درست ہے تاکہ امیر کیلئے سہولت بھی ہو اور اس کے ذریعے لغزش اور خلل واقع ہونے سے بچاؤ بھی۔"

تفویضِ اختیارات کا نتیجہ مناصب پر دیگر افراد کے تقرر کی صورت میں نکلتا ہے۔اہل افراد اپنی صلاحیت و قابلیت کے بل بوتے اپنے وظائف عمدہ طریقے سے بجالاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ قرآن میں مناصب کو امانات سے تعبیر کرتے ہوئے اہل افراد کے سپرد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔[31] ریاستِ مدینہ میں مناصب پر تقرر کے لیے مطلوبہ اوصاف میں ایمان و تقویٰ، حبِ جاہ و مال سے براءت، دینِ اسلام کے مزاج سے شناسائی اور عہدہ کی قابلیت وصلاحیت سرفہرست تھے۔آپ ﷺ نے عہدوں پر فائز افراد کو یہ باور کرایا کہ یہ مناصب کسبِ دنیا یا جاہ و مال کے ذرائع نہیں بلکہ امانت و مسئولیت کا بارِ گراں ہیں جن سے حتی الامکان بچ کے رہنا لازم ہے۔چنانچہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے جب آپ ﷺ سے کسی خطے کی حکومت کی خواہش ظاہر کی تو ارشاد فرمایا:

"یااباذر! انک ضعیف وانهاامانة ویوم القیامة خزی وندامةالا من اخذهابحقهاوادی الذی علیه فیها"[32]

"اے ابوذر! تم کمزور ہو اور یہ ایک امانت ہے اور قیامت کے دن رسوائی۔مگر یہ کہ کوئی شخص برحق طریقے سے حاصل کرے اور جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں انہیں ٹھیک ٹھیک ادا کرے۔"

ہاں اگر بغیر مانگے کسی کو امارت نصیب ہو جائے تو اس کے ساتھ اللہ کی مدد شاملِ حال ہوتی ہے۔[33] اس لیے ایک سربراہِ ریاست کی ذمہ داری میں یہ بات شامل ہے کہ وہ ریاستی مناصب پر ایسے افراد کا چناؤ کرے جو حقیقی مقاصد سے آشنا، امانت و دیانت کے پیکر اور باصلاحیت ہوں تاکہ اپنے مناصب سے انصاف کرتے ہوئے عوام الناس کے لیے سہولت پیدا کر سکیں۔

6.2.4 اصولِ تنقید و محاسبہ اور معزولی

تنقید، محاسبہ اور معزولی ایک ہی عمل کے مختلف مراحل ہیں۔تنقید سے شروع ہونے والا عمل محاسبہ کے ذریعے قصوروار ثابت ہونے کے نتیجے میں صاحبِ منصب کی معزولی پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو امتِ محمدیہ کی بعثت کا بنیادی فریضہ قرار دیا گیا ہے۔اس اصول کی رو سے

---

[29] سورۃ طٰہٰ:29

[30] الماوردی، الاحکام السلطانیۃ، صفحہ 30

[31] سورۃ النساء:58

[32] مسلم، ابو الحسین بن حجاج القشیری، صحیح مسلم، بیت الافکار الدولیۃ ریاض، 1998ء، کتاب الامارۃ، باب کراہۃ الامامۃ بغیر ضرورۃ، رقم 1825

[33] مسلم، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب النہی عن طلب الامارۃ والحرص علیہا، رقم 1652

ہر فرد پر لازم ہے کہ بقدر استطاعت برائی کے سدباب میں اپنا کردار ادا کرے۔ چنانچہ منکرات پر تنقید کرنا ہر فرد کا شرعی حق ہے جس کی تصدیق ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"من رای منکم منکرافلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذالک اضعف الایمان"[34]

"جو تم میں سے برائی دیکھے اسے چاہیے کہ بزورِ بازو اسے روکے۔ اگر ایسا نہ کر سکے تو اسکے خلاف آواز اٹھائے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو دل میں اسے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

اسی طرح روایات میں دینِ اسلام کو نصیحت سے تعبیر کیا گیا ہے اور خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ جہاں کہیں کوئی منکر سامنے آئے اس کی نشاندہی کی جائے۔ اس بنا پر ریاستِ مدینہ میں ہر شخص حکومت پر نظر رکھتا اور جہاں کوتاہی نظر آتی اس کے حل کی پوری کوشش کرتا۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ تنقید مخلصانہ اور تعمیری ہونی چاہیے۔ تنقید برائے تنقیص امورِ سلطنت میں تعطل اور پریشانی کا باعث ہو کر بسا اوقات معاشرے میں انتشار اور خلفشار پیدا کر دیتی ہے۔

وزراء اور عمال کے تقرر کے بعد ان کا محاسبہ اور نگرانی بھی ریاستِ مدینہ کی عظیم الشان روایت رہی ہے۔ خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کا اپنے آپ کو کھلے دل سے احتساب کے لیے پیش کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ اسلامی ریاست میں کوئی فرد مطلق العنان اور بازطلبی سے مستثنیٰ نہیں۔ مالِ غنیمت کی چادروں کی تقسیم کے بارے ایک عام شہری خلیفہ راشد عمر رضی اللہ عنہ پر سوال اٹھاتا ہے۔ آپ اطمینان سے اسے سنتے اور اپنے بیٹے کی زبانی حقیقت بیان کر کے اعتراض دور کرتے ہیں۔[35] خود عمر رضی اللہ عنہ عمال کے محاسبہ میں دیگر خلفاء سے زیادہ سخت نظر آتے ہیں۔ آپ ہی کے دور میں گورنرِ مصر کے بیٹے نے عام آدمی کو تھپڑ مارا۔ انصاف طلبی پر گورنر اور بیٹے کو بلوا کر رعایا کے سامنے اسی مظلوم کے ذریعے بدلہ دلوایا گیا۔[36]

احتساب کے نتیجے میں کوتاہی اور غفلت کے مرتکب افراد کی معزولی بھی ریاستِ مدینہ کی ایک اصولی روش ہے۔ معزولی کے نتیجے میں امیر لوگوں کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے۔ برطرفی جہاں کوتاہی کے مرتکب کے لیے زجر و توبیخ کا کام کرتی ہے وہیں آئندہ آنے والے کے لیے تنبیہ کا باعث بنتی ہے۔ ریاستِ مدینہ میں بدعنوانی اور خیانت، عہدہ کی مطلوب صلاحیت میں کمی واقع ہونا اور عمومی مصلحت کے پیشِ نظر معزولی کا تذکرہ ملتا ہے۔ عہدے کی طلب میں چونکہ حرص و ہوس کا شائبہ پایا جاتا ہے جو کہ امانت و دیانت کے اعلیٰ معیار کے خلاف ہے اس لیے ایسے افراد کو شروع ہی سے عہدہ سے الگ رکھا گیا۔[37] ایک گورنر کی معزولی کے موقع پر عمر رضی اللہ عنہ کا کلام کتبِ تاریخ میں موجود ہے کہ "میں نے کسی ناراضگی یا گناہ کی وجہ سے اسے معزول نہیں کیا بلکہ میں زیادہ قوی شخص کو عہدہ سونپنا چاہتا ہوں تاکہ وہ اپنی ذمہ داریاں بخوبی نبھا سکے"۔[38] خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی صلاحیت، امانت و دیانت میں کوئی کلام نہیں۔ لیکن عمر رضی اللہ عنہ کا انہیں معزول کرنا اس عمومی مصلحت کے بسبب تھا کہ کہیں لوگ اس فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں کہ فتح کا دارومدار خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی امارت وعدمِ امارت پر ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے ان کی نظر ہٹ جائے۔

مختصر یہ کہ تنقید، محاسبہ اور معزولی کا عمل کسی حقیقی مصلحت کی بنا پر ہونا چاہیے۔ ذاتی مفاد اور ضد و عناد کے نتیجے میں کسی اہل اور باصلاحیت شخص کو عہدہ سے سبکدوش کرنا نا صرف مذموم بلکہ انسانیت کو نفع سے محروم کرنا ہے۔

6.2.5 تعصب سے پاک عالمگیر نظریہ قومیت کی حامل ریاست

انسان کی تمدنی زندگی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ مشترک اغراض ومقاصد کے حصول کے لیے باہمی تعاون اور اشتراک کے طریق پر عمل کیا جائے۔ یہ امر تمدنی ترقی کے ساتھ اجتماعی اتحاد کا موجب ہو کر قومیت کو جنم دیتا ہے جس کا اطلاق مشترک اغراض ومصالح کے حامل مجموعہ

---

[34] مسلم، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب 20، رقم 78-49

[35] ابن قتیبۃ، عبداللہ بن مسلم، السلطان، المکتبۃ الازہریۃ قاہرۃ، ط س ن، صفحہ 138

[36] الہندی، علی المتقی بن حسام الدین، کنز العمال، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، الطبعۃ: الخامسۃ، 1985ء، رقم 36010

[37] البخاری، صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب 7، رقم 6730

[38] الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، دار المعارف بیروت، 1967ء، جلد 2، صفحہ 490

افراد پر ہوتا ہے۔ قومیت کا ابتدائی نقطہ اگرچہ قابلِ تحسین ہے لیکن رفتہ رفتہ اس کے نتیجے میں عصبیت کا غلبہ اسے داغدار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تاہم قومیت کے معیار اور جذبہ حمیت کو کڑی شرائط کا پابند بنادیا جائے تو فساد کی جگہ صلاح و خیر کا پہلو نمایاں ہو جاتا ہے۔

نسل، وطن، زبان اور نظمِ معیشت و حکومت کا اشتراک قومیت کے مروجہ عناصر ہیں لیکن اسلام ان سب کے برعکس ایک عالمگیر اور وسیع نظریہ قومیت فراہم کرتا ہے اور انسانیت کے مابین ہمہ قسم کے مادی و نسلی فروق کی نفی کے بعد جس چیز کو عزت و شرف کا معیار قرار دیتا ہے وہ دین اور تقویٰ ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ۔"[39]

"لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا اور سب سے زیادہ خبر دار ہے۔"

آیت مبارکہ کی رو سے تمام بنی آدم کی اصل ایک اور قبائلی تقسیم کا مقصد باہمی تعارف و پہچان ہے۔ انسانیت کو نسلی و قبائلی تفاخر کی بھینٹ چڑھنے سے بچا کر اس امر کی تلقین کرتا ہے کہ نسلِ انسانی کے مابین اصل امتیاز اعمال و اخلاق کے حسن و قبح کی بنا پر ہے۔ پورے کلامِ الٰہی میں نسلیت و وطنیت کی تائید سے ہٹ کر تمام انسانیت کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اس سے یہ امر مترشح ہوتا ہے کہ اسلام روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کی صلاح و فلاح کا داعی ہے۔ یہ وہ عالمگیر نظریہ قومیت ہے جس سے بقیہ ادیان و نظام ہائے حیات عاری ہیں۔

6.2.6 لچک دار اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ریاست

کائنات میں بقا اور استحکام کے لیے وقت کے دھارے کے ساتھ اپنے اندر جدت پیدا کرنا اشد ضروری ہے۔ قانونِ الٰہی بھی وقتی حالات کو مدِ نظر رکھنے کا درس دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزات زمانے کی ضرورت کے پیشِ نظر عطا کیے گئے۔ یدِ بیضا اور عصائے کلیم کے ذریعے سحر و تخیل کا بطلان کیا گیا تو احیاء اموات اور لاعلاج امراض کے علاج اور شفایابی کی بدولت مشہور اطباء کو دعوتِ فکر دی گئی۔ اسی طرح عہدِ رسالت میں فصحاء و بلغاء کلامِ مقدس کی فصاحت و بلاغت کا مقابلہ کرنے سے عاجز آئے۔ نیز عصری ضرورت کو پیشِ نظر رکھنے کا اشارہ اس فرمانِ الٰہی سے بھی ملتا ہے:

"وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ۔"[40]

"اور تم ان کے مقابلے کے لیے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری رکھو۔"

آیت مبارکہ میں قوت کا عموم اس امر کی طرف مشیر ہے کہ زمان و مکان کے مطابق کفار سے مقابلہ کے لیے قوت و استعداد تیار رکھنا لازم ہے۔ یہ تمام امور اسلام کی عالمگیریت اور ابدیت ثابت کرتے ہوئے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اسلام لچک دار اور حالات و ازمنہ کے مطابق اپنے اندر وسعت پیدا کرنے والا دین ہے۔

اسلام کی اسی ابدیت کے پیشِ نظر آپ ﷺ ریاستِ مدینہ کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے میں کوشاں رہے۔ اصحاب رضی اللہ عنہم کو غیر عربی زبانیں سیکھنے کا حکم، سفراء و وفود سے ملاقات کے لیے مخصوص لباس اور مہر کی تیاری وقتی ضرورت کی بنا پر ہی تھا۔ آپ ﷺ کے بعد خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی اپنے اپنے دور کی ضرورتوں کے پیشِ نظر ملکی نظم و نسق میں ترامیم کیں جس کی واضح مثال ان اداروں اور محکموں کا قیام ہے جن کا وجود ریاستِ مدینہ کے اولین ادوار میں نہیں ملتا۔ ظاہر ہے کہ وقت کا تقاضا ہی ان کے قیام کا محرک بنا۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب تک اہلِ اسلام اس ضرورت کا ادراک اور تکمیل میں کوشاں رہے سیادت و قیادت ان کا مقدر رہی۔ ترقی یافتہ اقوام میں شمار اور شانہ بشانہ کھڑے ہونے کے لیے عصری تقاضوں کی تکمیل نہایت ضروری ہے جن میں جدید علوم پر دسترس، معاشی و اقتصادی اصلاحات اور دفاعی امور میں مہارت شامل ہیں۔

---

[39] سورۃ الحجرات: 13

[40] سورۃ الانفال: 60

یہ وہ مضبوط بنیادیں تھیں جن پر ریاستِ مدینہ کی عمارت کھڑی کی گئی اوران کی بدولت مختصر عرصے میں اسے لازوال حیثیت حاصل ہوئی۔ موجودہ دور میں انہی بنیادوں پر کسی ریاست کی تشکیل اس کے رسوخ اور ثبات کی ضمانت ہے۔

6.3 آپ ﷺ کی سیاسی حکمتِ عملی اور فلاحِ عامہ میں اس کا کردار

آپ ﷺ نے نقطہ صفر سے انتظامِ ریاست کا آغاز فرمایااور پھر اپنی کمال فراست سے مملکت کا ایسا نظم ونسق ترتیب دیا جس نے ایک لازوال اور مثالی فلاحی معاشرے کی بنیادر کھی۔ انسانیت کے لیے نافع ہی انسانوں میں سے بہتر ہے[41] کا اصول تمام تر ریاستی حکمتِ عملی میں لاگو فرماکر عوامی فلاح کی راہ ساز گار بنائی گئی۔اس اصول نے جہاں یہ امر واضح کر دیا کہ ریاست کا وجود فلاحِ عامہ کی بنیاد پر ہی عمل میں لایا گیاہے وہیں ہر ریاستی ادارے کو اس امر کا پابند بنایا کہ کسی بھی پالیسی میں اس اصول کو فراموش نہ کیا جائے۔ آئندہ سطور میں مختلف شعبہ جات میں آپ ﷺ کی حکمتِ عملی اور عوامی فلاح میں ان کے کردار کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

6.3.1 انتظامی حکمتِ عملی اور فلاحِ عامہ میں اس کا کردار

انتظامی حکمت عملی کے سلسلے میں لوگوں کو اجتماعیت کے قالب میں ڈھالنااور مرکز سے جوڑے رکھنانہایت ضروری تھا تاکہ سیاسی وحدت واجتماعیت قائم کی جاسکے۔اس ضرورت کے پیشِ نظر ریاست کے مرکز اور سیکرٹریٹ کے طور پر مسجدِ نبوی کی بنیادر کھی گئی جو محض عبادت گاہ ہونے کی بجائے تمام تر ریاستی اقدامات کا مرکز قرار پائی۔ عمائدینِ حکومت کو ہدایات جاری کرناہوں یاسفراء ووفود سے ملاقات، تعلیم وتبلیغ کا سلسلہ ہو یاغنیمت کی تقسیم کا معاملہ تمام امور مسجد میں طے کیے جاتے۔اس عمل سے اسلامی معاشرے میں مسجد کی اہمیت اور مرکزیت کا اندازہ لگایا جاسکتاہے۔مسجد کے ساتھ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں کی تعمیر تعمیرات اور جدید کالونائزیشن کے تصور کو واضح کرتی ہے۔راستے سے تکلیف دہ چیز کے ہٹانے کو صدقہ قرار دینا[42] اور آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ ”راستہ سات ہاتھ یعنی دس فٹ کشادہ رکھو۔“[43] شاہراؤں کی تعمیر اور تنظیف پر دال ہے۔کسی بھی بلدیاتی نظام کالازمی حصہ سمجھے جانے والے اصول مثلاً صاف پانی کی فراہمی، نکاسی آب کے بارے ہدایات اور کوڑاکرکٹ کے لیے آبادی سے باہر ایک جگہ کا تعین سب آپ ﷺ کی انتظامی پالیسی کی مثالیں ہیں جو صحت منداور پاکیزہ معاشرے کے قیام میں معاون ہیں۔

وحدت والفت کی بات کی جائے تومہاجرین وانصاراگرچہ نظریاتی طور پر آپ ﷺ کے موافق تاہم دونوں الگ روایات کی حامل اقوام تھیں۔ قریش عرب کی ممتاز قوم یہاں مجبوراور مہاجر ہونے کی حیثیت سے آئی تھی۔ایسے معاشرے کو منظم وحدت میں پرونااور معاشرتی تعلقات کو ٹھوس بنیاد فراہم کرنانہایت ضروری تھا۔ آپ ﷺ نے مؤاخات کے ذریعے فریقین کو منظم کیااوراس طرح مدینہ منورہ امتِ مسلمہ کا مرکز و محور بن کر ابھرا۔ آپ ﷺ نے اجتماعیت کا دائرہ کار بڑھاکر یہوداور مدینہ کے اطراف میں بسنے والے غیر مسلم قبائل کو بھی میثاقِ مدینہ کے ذریعے مملکت کے شہری قرار دیااور یوں مدینہ اوراطراف کا علاقہ سیاسی وحدت قرار پایا۔

آپ ﷺ کی اس حکمتِ عملی نے رعایاکی فلاح وبہبود میں نمایاں کردارادا کیا۔اتحادواتفاق کے قیام کے ساتھ ساتھ لوگوں کامعیارِ زندگی بلند ہوااوراقوامِ عالم کی مہذب ومتمدن اقوام میں ان کا شمار ہونے لگا۔اسی پالیسی کو خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم نے پروان چڑھایااور یوں مدینہ کا نظم ونسق ایک بہترین اور مثالی انتظامی پالیسی کے طور پر شمار ہوا۔

6.3.2 معاشی حکمتِ عملی اور فلاحِ عامہ میں اس کا کردار

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انفرادی واجتماعی سطح پر امتِ محمدیہ کے ہر فرد سے مطلوب ہے۔ چنانچہ نیکیوں سے مزین اور برائیوں سے پاک معاشرے کا قیام اسلامی مملکت کا بنیادی فریضہ ہے۔مال اور ملکیت کا تحفظ چونکہ ہر فرد کا حق ہے اس لیے اس کے تحفظ کو یقینی بنائے بغیر برائیوں سے پاک معاشرے

---

[41] الہندی، کنز العمال، رقم 44154

[42] مسلم، صحیح مسلم، رقم الحدیث 58

[43] الترمذی، جامع الترمذی، رقم الحدیث 1355

کے قیام کا خواب ادھورا ہے۔مال کو انسانی زندگی میں جو اہمیت حاصل ہے اس کا انکار ممکن نہیں۔انسان کی تمام بنیادی ضروریات کا وسیلہ اور دنیاوی خیر و فلاح کا موجب ہے اسی بنا پر مال کو دنیاوی زینت قرار دیا گیا ہے۔[44]

معیشت کی اس ضرورت کا ادراک کرتے ہوئے مرکزیت اوراجتماعیت کے بعد آپ ﷺ معاشی پالیسی کی تشکیل پر عمل پیرا ہوئے۔معاشی طور پر مدینہ کے باسی مختلف طبقات پر مشتمل تھے۔یہودی طبقہ سودی کاروبار سے وابستہ اور معیشت پر مکمل طور پر قابض تھا۔مہاجرین مالی طور پر تنگی داماں کا شکار اورانصارِ مدینہ کے معاشی حالات میں بھی یکسانیت نہ پائی جاتی تھی۔ایسے معاشرے میں معاشی مساوات قائم کرنا وقت کی اہم ضرورت کے ساتھ فراست و تدبر کا امتحان بھی تھا۔ آپ ﷺ نے ریاستی جبر کو ثانوی حیثیت دے کر خدا ترسی اوراخلاقیات کے ذریعے قرضِ حسنہ،صدقات وعطیات،سخاوت اور باہمی تعاون وہمدردی کی فضا کو فروغ دیا۔ چنانچہ بیشتر معاشی مسائل ان اخلاقی اقدار کی بدولت حل کیے گئے اور باقی ماندہ ضروریات کی تکمیل کے لیے ریاستی اقدامات کا سہارا لے کر عوام الناس کی معاشی فلاح کو یقینی بنایا گیا۔

آپ ﷺ کی معاشی حکمتِ عملی کی ابتدائی جھلک مؤاخاتِ مدینہ کی صورت میں نظر آئی جس کے ذریعے متمول صحابہ کے مال و دولت میں ضرورت مند صحابہ کو شریک بنا کر ضروریاتِ زندگی کی فراہمی اوراہلِ ایمان کے مابین معاشی توازن قائم کیا گیا۔بعد ازاں دھن پر مخصوص طبقات کی اجارہ داری ختم کرنے کے لیے سودی قرضوں کے متبادل قرضِ حسنہ کا نظام متعارف کرایا گیا۔جب معاشرے میں باہمی ہمدردی اور تعاون کی فضا قائم ہو گئی تو آپ ﷺ نے بالکلیہ حرام قرار دے کر معاشرے کو سود کی لعنت سے پاک کر دیا۔[45]

دست سوال دراز کرنے کی حوصلہ شکنی اور موجود وسائل کو بروئے کار لا کر روزگار کے مواقع پیدا کرنا بھی آپ ﷺ کی معاشی حکمتِ عملی کا حصہ رہا۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کتبِ حدیث میں موجود ہے کہ ایک شخص نے جب آپ ﷺ سامنے سوال کیا تو آپ ﷺ نے اس کے وسائل دریافت فرمائے۔ پتہ چلا کہ ایک ٹاٹ اور پیالہ اس کا کل اثاثہ ہے۔ آپ ﷺ نے وہ نیلام فرما کر رقم اس کے حوالے کی اور مزدوری کا حکم دیا۔چند یوم بعد جب ان کی معاشی حالت بہتر ہو گئی تو آپ ﷺ نے خوشی کا اظہار فرمایا اور کہا:

"ہذا خیرلک من ان تجی المسالۃ نکتۃ فی وجہک یوم القیامۃ"[46]

"یہ بہتر ہے تیرے لیے بہ نسبت اس کے کہ تمہارا سوال بروزِ قیامت تمہارے چہرے پر داغ بن کر آتا"

اس اصول نے معاشرے میں قناعت اور خودداری کو فروغ دیا۔بازار میں اقتصادی مسابقت کی فضا پیدا کی گئی جس کے نتیجے میں اشیاء کے نرخ متوازن سطح پر برقرار رہے۔[47]ان تمام کاروباری شکلوں اور عوامل کی روک تھام کی گئی جن میں عوامی مفاد اور فلاح کا پہلو مفقود اور کسی فریق کا لازمی نقصان نظر آتا۔افراد کو شخصی ملکیت کا حق ضرور دیا تاہم اسے ایسے اخلاقی ضابطے کا پابند بنایا کہ وہ ذاتی منافع کی آڑ میں اجتماعی مفاد کو ٹھیس نہ پہنچا سکے۔معاشی توازن برقرار رکھنے کی خاطر میانہ روی کا طریق اپنانے پر زور دیا گیا اور بخل واسراف کے بچنے کی تلقین کی گئی۔[48]آپ ﷺ کی اس معاشی پالیسی کے خوشگوار اثرات سامنے آئے۔عوام کے نہ صرف مسائل حل ہوئے بلکہ وہ معاشی طور پر مستحکم ہو گئے۔وقت کے ساتھ فتوحات اور مالِ غنیمت و فے کے نتیجے میں ریاستِ مدینہ کو معاشی رسوخ حاصل ہوا تو خدمتِ خلق اور کفالتِ عامہ کے وسیع تصور نے ریاست کی فلاحی شناخت کو آشکارا کر دیا۔

مختصر یہ کہ آپ ﷺ کی معاشی پالیسی فرد اور ریاست کے توازن کی بہترین عکاس ہے۔دیگر نظام ہائے معیشت کی طرح افراط و تفریط سے پاک اور مادیت وروحانیت کے حسین امتزاج پر مشتمل ہے۔اسلام اشتراکیت کی مانند نہ تو فرد کی شخصی ملکیت سلب کر کے ترقی کے محرک کو کچل کر رکھ دیتا ہے اور نہ

---

[44] سورۃ الکہف:46

[45] سورۃ البقرۃ:275

[46] ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، بیت الافکار الدولیہ ریاض،1999ء، کتاب الزکاۃ، باب ما تجوز فیہ المسالۃ، رقم الحدیث 1641

[47] الترمذی، جامع الترمذی، رقم الحدیث1314

[48] سورۃ الاعراف:31

سرمایہ دارانہ نظام کی مانند فرد کو بے لگام چھوڑے رکھتا ہے کہ وہ عوامی مفادات کو زد پہنچاتا رہے۔ اس بنا پر ریاستِ مدینہ کی معاشی پالیسی ہی مملکت ورعایا کی فلاح وبہبود کی ضامن ہے۔

6.3.3 دفاعی حکمتِ عملی اور فلاحِ عامہ میں اس کا کردار

ریاستِ مدینہ کا قیام جن حالات میں عمل میں آیا اس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بہترین دفاعی حکمتِ عملی مرتب کرنا اشد ضروری تھا۔ بیرونی خطرات کے علاوہ اندورنی خلفشار کو کچلے بغیر ریاستی استحکام ممکن نہ تھا۔ اس ساری صورتحال میں میثاقِ مدینہ ہی ریاست کے اندرونی وبیرونی استحکام کا پہلا قدم ثابت ہوا۔ اس دستاویز کے ذریعے آپ ﷺ کو متفقہ طور پر سربراہِ ریاست تسلیم کیا گیا اور مدینہ کو شہری مملکت قرار دے کر یہود کے تعاون سے دفاعی حکمتِ عملی مرتب کی گئی۔

جنگی قوت ایک وقت میں ایک ہی محاذ پر استعمال کرنا آپ ﷺ کی جنگی پالیسی کا نمایاں اصول رہا۔ یہود کی عہد شکنی ظاہر ہو جانے کے باوجود قریش کی جڑیں کمزور کرنے تک کسی قسم کی اور محاذ آرائی سے گریز کیا گیا۔ غزوہ احزاب کے بعد یہود کی بیخ کنی پر توجہ دی گئی کیونکہ مستقبل میں ان کا وجود ریاست کے لیے خطرہ کی علامت تھا۔ جب تک جنگی صورتحال برقرار رہی آپ ﷺ کو سفارتی تعلقات قائم کرنے کا موقع نہ مل سکا لیکن صلح حدیبیہ نے آپ ﷺ کو یہ موقع فراہم کیا۔ مختلف ریاستوں سے سفارت کاری کی بدولت جہاں تعلقات قائم ہوئے وہیں ریاست مخالف عناصر بھی کھل کر سامنے آ گئے جو آنے والے دور میں مزاحمت یا صلح کے نتیجے میں ریاستِ مدینہ کی ماتحتی میں آ گئے۔

اسلام سے قبل جنگ انتقام کی آڑ میں ملک گیری اور وحشت وبربریت کا دوسرا نام تھا۔ میدانِ جنگ میں مرد وعورت، بچے بوڑھے، مقابل وغیر مقابل کی تمیز کے بغیر قتل وغارت گری کا بازار گرم کر کے مال ومتاع کا حصول باعثِ فخر وعزت سمجھا جاتا تھا۔ لیکن آپ ﷺ نے جنگی منہج اور نصب العین کی تبدیلی کے ذریعے جنگ جیسی وحشت ناک چیز کو بھی رحمت کے قالب میں ڈھال دیا۔ ملک گیری اور انتقام کی بجائے اعلائے کلمۃ اللہ جنگی نصب العین قرار اور اس مقصد کے لیے کم سے کم خون بہانے کی پالیسی پر زور دیا گیا۔[49] میدانِ جنگ کے آداب متعین کیے گئے، مقابل وغیر مقابل کا امتیاز کیا گیا اور سفاکیت ودرندگی کے تمام مروج طرق مثلاً لاش کی بے حرمتی اور مثلہ وغیرہ کی نفی کر کے دفاعی نظام کو بھی اخلاقی بنیادوں پر استوار کیا گیا۔ حالتِ جنگ میں اخلاقیات کی بہترین مثال آپ ﷺ کا وہ فرمان ہے جو آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر سعد رضی اللہ عنہ کے قول کہ "آج کا دن جنگ کا دن ہے اور آج حرمتیں پامال ہوں گی" کی تردید میں ارشاد فرمایا:

"كذب سعدولكن بذااليوم يعظم الله فيه الكعبة"[50]

"سعد نے غلط کہا آج کے دن اللہ کعبہ کی عظمت کو بلند کرے گا۔"

اسی طرح جنگی قیدیوں سے اہانت آمیز رویے کے تسلسل کو ختم کر کے حسنِ سلوک کا حکم اور ان کے تمام بنیادی حقوق ریاست کی ذمہ داری قرار دے کر احترامِ انسانیت کی اعلیٰ مثال قائم کی۔ اساریٰ بدر کی مشروط رہائی کے نتیجے میں جہاں ریاست کی وقتی ضروریات پوری ہوئیں وہیں رئیس یمامہ ثمامہ بن اثال کی غیر مشروط رہائی[51] نے ریاست کے امن پسندانہ اور صلح جوئی کے کردار کو واضح کیا۔ آپ ﷺ کی دفاعی پالیسی اور جنگی اصلاحات اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام جنگ جیسی نازک صورتحال میں بھی انسانیت کی فلاح اور خیر کا پہلو فراموش نہیں کرتا۔ یہی دینِ اسلام کا وہ وسیع ترین فلاحی تصور ہے جس کی مثال پیش کرنے سے بقیہ ادیان قاصر ہیں۔

6.3.4 تعلیمی حکمتِ عملی اور فلاحِ عامہ میں اس کا کردار

فلاحِ عامہ میں تعلیم وتعلم کی معنویت اور کردار کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن میں متعدد مقامات پر فلاح کو ایمان وعمل پہ مرتب کیا گیا ہے اور علم کے بغیر عمل استناد کا درجہ نہیں پا سکتا۔ علم وعمل کا التزام اس نتیجہ کو ثابت کرتا ہے کہ علم ہی انسان کی حقیقی فلاح کا موجب ہے۔ فلاح کے اعلیٰ معیار سے انسانیت کو روشناس کرانے کی خاطر آپ ﷺ کی بعثت عمل میں لائی گئی تھی چنانچہ آپ ﷺ نے "انما بعثت معلما"[52] کے الفاظ کے ذریعے اپنے

---

[49] سورۃ الانفال: 39

[50] البخاری، صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب این رکز النبی الرایۃ یوم الفتح، رقم الحدیث 4280

[51] ابو داؤد، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث 2679

[52] الغزالی، احیاء علوم الدین، کتاب العلم، ص18

لیے اسی حیثیت کا اظہار پسند فرمایا۔ گو کہ فروغِ تعلیم کا سلسلہ مکی زندگی میں بھی چلتا رہا لیکن ہجرت کے بعد تعلیمی سرگرمیوں نے سرکاری حیثیت اختیار کرلی۔ تعلیمی اقدامات ریاستِ مدینہ کی اولین فوقیت تھی جس کا ثبوت مسجدِ نبوی کے ساتھ صفہ کی تعمیر تھی جسے عالمِ اسلام کی پہلی اقامتی درسگاہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔[53] اسی طرح مسجدِ نبوی ریاست کی تمام تعلیمی سرگرمیوں کا مرکز تھی جہاں باجماعت نماز کی صورت میں مساوات، اخوت ، اطاعت اور نظم وضبط کا درس سکھایا جاتا اور مختلف خطبات کے ذریعے مدینہ کے شہریوں کو نظریہ اسلام اور دیگر احکام کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔

اساریٰ بدر میں سے پڑھے لکھے افراد کی مسلم بچوں کی تعلیم کے بدلے رہائی ریاست کی تعلیمی ترجیحات کا تعین کرتی ہے۔ اسی طرح اصحاب کو غیر ملکی زبانیں سیکھنے کا حکم دینے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دینی علوم کے ساتھ ساتھ معاصر علوم کی ترویج اور اداروں کا قیام بھی تعلیمی پالیسی کا حصہ ہونا چاہیے۔[54] مختلف مفتوحہ علاقوں میں اصحاب کو بطور معلم و قاضی بھیجنا اس بات کی علامت ہے کہ رعایا کی تعلیم و تربیت ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کو بخوبی نبھاتے ہوئے مدینہ کی ریاست میں ایسے اقدامات اٹھائے گئے کہ نصاب سازی سے لے کر تعلیمی اداروں کے قیام تک معاصر ریاستیں آپ ﷺ کے اسوہ کی پیروی کرتی نظر آتی ہیں۔

6.3.5 داخلی حکمتِ عملی اور فلاحِ عامہ میں اس کا کردار

کسی بھی ریاست کی داخلہ پالیسی مملکت کے اندرونی استحکام اور امن وامان کی مجموعی صورتحال کی عکاس ہوتی ہے۔ ملک میں امن کی فضا برقرار رکھنا، آنے والے وفود کا استقبال و بہتر رہائشی انتظامات اور معاشرے کے ضعفاء، نادار و مستحق افراد کی کفالت کا انتظام داخلی وظائف میں شامل ہے۔ امن وامان اور نظم وضبط برقرار رکھنے کے لیے اولاً آپ ﷺ نے زبانی ہدایات اور معاشرتی رویوں کی تبدیلی کا سہارا لیا۔ انسانیت کو اسلام کے تصورِ امن سے روشناس کرا کر لسانی و عملی ایذا رسانی سے منع فرمایا گیا۔ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده"[55]

"حقیقی مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔"

امن وسلامتی پر مبنی ایسی ہدایات کی بدولت آپ ﷺ نے باہم متحارب و مخالف قبائل کو شیر وشکر فرمادیا تھا۔ اسی طرح مدینہ کے بارے آپ ﷺ کا پیش کردہ حرم کا تصور ہر ایسے اقدام کی حوصلہ شکنی کرتا تھا جس میں جنگ و جدل یا انتشار و فساد کی بو پائی جائے۔ سیرتِ طیبہ میں امن وامان کا جائزہ لینے کی خاطر افراد کے تقرر کا ثبوت ملتا ہے جن کا کام گشت کرنا اور مشکوک افراد کا پیچھا کرنا ہوتا تھا۔[56] ذاتیات کی حد تک تجسس و دخل اندازی گو شریعتِ مطہرہ میں ممنوع ہے تاہم وقت کی نزاکت کے پیشِ نظر سیاسی اغراض و مصالح کے لیے مخبر و جاسوس کے تعین کا اشارہ اسوہ حسنہ سے ملتا ہے جن کا کام شرپسند عناصر کی نشاندہی کرنا ہوتا تھا تاکہ ریاست اس کے خلاف کارروائی کرسکے۔[57] مختلف غزوات کے موقع پر جاسوسوں کی اطلاعات پر اقدامات کا تذکرہ بھی کتبِ سیرت میں پایا جاتا ہے۔ یہ وہ اصول تھے جن کو بنیاد بنا کر دورِ فاروقی میں پولیس کا باقاعدہ محکمہ قائم کیا گیا جس کی ضرورت ریاستِ مدینہ کے ابتدائی دور میں نہ تھی۔

کفالتِ عامہ کے ضمن میں اس اصول کے ذریعے کہ "جس کا کوئی والی نہ ہو امیر وحاکم اس کا والی ہے۔"[58] مستحق و نادار افراد کا بارِ کفالت ریاست کے کندھوں پر ڈالا گیا۔ آپ ﷺ کے اس طرزِ عمل نے ریاست کا اصل رفاہی اور فلاحِ عامہ کا تصور دنیا کے سامنے پیش کیا۔ آنیوالے وفود کا استقبال اور مہمانداری بھی

---

[53] ڈاکٹر حمید اللہ، اسلامی ریاست، الفیصل ناشران کتب لاہور، ص30

[54] الترمذی، جامع الترمذی، رقم الحدیث 2715

[55] البخاری، صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، رقم الحدیث 10

[56] ڈاکٹر نثار احمد، عہد نبوی ﷺ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، نشریات لاہور، 2008ء، ص417

[57] ایضاً، ص418

[58] ابو داؤد، سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی الولی، رقم الحدیث 2083

ریاست کی داخلی پالیسی کا حصہ رہی۔ مسجدِ نبوی یا کسی صحابی کے گھر ان کی رہائش کا انتظام کیا جاتا۔[59] آنے والے مہمانوں کی خاطر مدارت اور اعزاز و اکرام کا آپ ﷺ کو اس قدر خیال تھا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق آپ ﷺ کے آخری وصایا میں یہ وصیت بھی شامل تھی:

"وجیزالوفودبنحوماکنت اجیزہم"[60]

"وفود کو اسی طرح عطیہ پیش کیا کرنا جیسا میں عطیہ دیا کرتا تھا۔"

آپ ﷺ کا یہ حسنِ سلوک انسانی ہمدردی اور احترامِ آدمیت کی عمدہ مثال اور مخالفین کے دلوں کو مسخر کرنے کا موجب بنا۔ آپ ﷺ کے بہترین داخلی اقدامات کی بدولت ریاستِ مدینہ میں امن وامان، بھائی چارہ اور اخوت ومساوات جیسی اخلاقی اقدار کو فروغ ملا اور یوں انسانیت فلاح کے ایک اعلیٰ معیار سے روشناس ہوئی۔

6.3.6 خارجی حکمتِ عملی اور فلاحِ عامہ میں اس کا کردار

اسلام ساری انسانیت کی خیر وفلاح کے علمبردار ہونے کے ناطے عالمی امن اور استحکام کی بات کرتا ہے اور اسی مقصد کی خاطر آپ ﷺ کی بعثت عمل میں لائی گئی۔ سیرت کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ آپ ﷺ نے پوری زندگی نہ صرف ہر ایسے قدم کی حوصلہ افزائی کی جو معاشرتی ظلم واستحصال کے خاتمہ کے لیے اٹھایا گیا بلکہ عملاً ایسی ہر کاوش میں شریکِ کار بھی رہے۔ حربِ فجار کے بعد حلف الفضول میں شرکت اس بات کا واضح ثبوت ہے۔

ریاستِ مدینہ کے قیام کے بعد داخلی امن وامان یقینی بنا کر آپ ﷺ نے اپنی کوششوں کا رخ عالمی امن واستحکام کی طرف موڑا۔ پوری دنیا کو امن وسلامتی سے بہرہ ور کرنے کے لیے عرب وغیر عرب چھوٹی بڑی طاقتوں سے تعلقات قائم کیے گئے۔ خط وکتابت کے ذریعے امن کا پیغام ان تک پہنچایا گیا۔ توثیقِ معاہدات کے ذریعے فروغِ امن کے مشن کو جاری رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی خارجہ پالیسی میں امنِ عامہ اور عالمی اتحاد ایک واضح اصول کی شکل میں ہمیں نظر آتا ہے۔ اسلام جنگ وجدل کی بنیاد پر اپنی جغرافیائی حدود کی وسعت پر یقین نہیں رکھتا۔ میدانِ جنگ میں آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ جنگ وقتال ایک انتہائی صورت ہے جو قیامِ امن کی تمام غیر مسلح کوششیں بے سود ہونے کے نتیجے میں واقع ہوتی ہے۔ تاہم کسی بھی مرحلہ پر اگر مخالفین صلح پر آمادہ ہو جائیں تو اہلِ اسلام کو بھی صلح کی ترغیب اور حکم دیا گیا ہے۔

"وَإِن جَنَحُواْ لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّهِ"[61]

"اور اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہو جائیں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔"

تالیفِ قلبی یعنی اپنے حسنِ سلوک کی بدولت اغیار کے دلوں کو موہ لینا بھی تعلقاتِ عامہ کے باب میں ایک اہم اصول رہا۔ امراء وسلاطین کو تحائف بھیجنا، کٹھن حالات میں معاشی اعانت اور مفتوحین سے اچھا برتاؤ تالیفِ قلب ہی کی صورتیں ہیں جن کا ثبوت سیرتِ طیبہ میں ملتا ہے۔ تالیفِ قلبی ہی کی بنا پر اسلام ان اقوام وملل سے حسنِ سلوک اور منصفانہ برتاؤ کا حکم دیتا ہے جو اسلام واہلِ اسلام کے خلاف کسی قسم کی معاندانہ روش کا ارتکاب کرتے نہیں پائے جاتے۔ ارشادِ ربانی ہے:

"لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ"[62]

"جن لوگوں نے دین کے بارے میں تم سے جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا۔"

---

[59] ڈاکٹر نثار احمد، عہد نبوی ﷺ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، ص415

[60] البخاری، صحیح البخاری، کتاب الجزیۃ والموادعۃ، باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب، رقم الحدیث3168

[61] سورۃ الانفال:61

[62] سورۃ الممتحنۃ:6

البتہ اتنی بات ذہن نشین رہے کہ کفار کے تعلقات استوار کرنے میں برابری کا اصول فراموش کرنا نہ تو اسوہ محمدی سے ثابت ہے اور نہ ہی اس کی اجازت۔ فقہِ اسلامی کا مسلمہ اصول ہے کہ:

"الامر بیننا وبین الکفار مبنی علی المجازاۃ"[63]

"ہمارے اور کفار کے مابین معاملہ برابری کی بنا پر ہو گا۔"

اسی اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے عمر رضی اللہ عنہ نے کافر تجار پر عشور کا نفاذ کیا تھا۔[64] البتہ اگر کفار کسی قسم کی بدعہدی کے مرتکب ہوں تو ہمارے لیے نقضِ عہد کسی طور جائز نہ ہو گا۔ اس اصول پر تعلقات کے قیام سے بزدلی کی بجائے بہادری اور دلیری کے عنصر کے ساتھ ساتھ اسلام کا صلح جوئی کا پہلو بھی نمایاں ہوتا ہے۔

مختصر یہ کہ آپ ﷺ کی بہترین حکمتِ عملی کی بدولت ریاستِ مدینہ کو نہ صرف داخلی وخارجی استحکام عطا ہوا بلکہ علمی واقتصادی ہمہ قسم کے مسائل بھی حل ہو گئے۔ آنے والے ادوار میں ریاستِ مدینہ ایک مضبوط اور ترقی یافتہ ریاست کے روپ میں جلوہ گر ہوئی جس کے نظم ونسق کی پیروی ریاست وحکومت کے باب میں کمال وعروج کی ضمانت ہے۔

7 ریاستِ مدینہ اور اسلامی جمہوریہ پاکستان میں مماثلت

تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ ریاستِ مدینہ اور پاکستان کے قیام میں کافی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ قیامِ پاکستان کا محرک دو قومی نظریہ اسی تصور کا ارتقا ہے جو ریاستِ مدینہ کے پہلے سربراہ جناب محمد ﷺ نے قریش کے مصالحتی فارمولے کو رد کرتے ہوئے "لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ"[65] کی صورت میں پیش کیا۔ ریاستِ مدینہ کی مانند پاکستان کا قیام بھی کثیر المذہبی، کثیر القومی اور کثیر اللسانی معاشرے میں عمل میں آیا۔ دونوں ریاستوں کی ابتدا میں ہجرت ونصرت کا عنصر بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ قیام کے فوراً بعد اندرونی وبیرونی سازشوں نے دونوں ریاستوں کی جڑیں کمزور کرنے کی کوشش کی تاہم رسالت مآب محمد ﷺ کی بہترین حکمتِ عملی کی بدولت ریاستِ مدینہ کے مخالفین کو ہر میدان میں ہزیمت اٹھانا پڑی۔ ان مماثل پہلوؤں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان اگرچہ مسائل سے دوچار اور نازک مرحلے سے گذر رہا ہے لیکن دو قومی نظریہ اور ایثار وہمدردی کا جذبہ اس کی بقا کا ضامن ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت وریاست کے باب میں آپ ﷺ کی تعلیمات اور اسوہ حسنہ کی پیروی کی جائے۔ اسی میں انسان کی شخصی اور اجتماعی خیر وفلاح مضمر ہے۔

8 نتائج بحث

أ. عوامی فلاح کی خاطر اور معاشرتی تقاضے کی تکمیل میں ریاستِ مدینہ کا قیام عمل میں آیا جسے پہلی فلاحی مملکت ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

ب. حاکمیتِ الٰہی کے نفاذ اور رعایا اور حکومت کے تعلق کے مابین توازن واعتدال کی بدولت ایک مستحکم وپائیدار معاشرے کی جھلک دیکھنے کو ملی۔

ج. عالمگیر نظریہ قومیت کی بنا پر اتحاد واتفاق کی فضا کو فروغ ملا اور معاشرتی برائیوں کا سدباب ہوا۔

د. عوام الناس کو حقوق اور بنیادی ضروریات کی فراہمی کی بدولت نہ صرف ان کا معیارِ زندگی بلند اور معاشرے سے رشوت، سود خوری، قتل وغارت گری جیسے جرائم کا استیصال ہوا۔

ہ. اختیارات کی نچلی سطح تک منتقلی اور مناصب پر اہل افراد کی بدولت ریاستی نظم ونسق بلاتعطل جاری وساری رہا جس کی بدولت لوگوں کی ضروریات بروقت اور برمحل پوری ہوئیں۔

و. ریاستِ مدینہ کے نظم ونسق کی پیروی ہی سے عصرِ حاضر میں فلاحی ریاست کا قیام ممکن ہے۔ اسی میں انفرادی واجتماعی فلاح اور دنیا وآخرت کی کامیابی وکامرانی مضمر ہے۔

---

[63] السرخسی، محمد بن عبد اللہ، شرح السیر الکبیر، دار الکتب العلمیۃ بیروت، 1997ء، ج5، ص285

[64] الحارثی، ڈاکٹر جریبۃ بن احمد، الفقہ الاقتصادی لامیر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، دار الاندلس الحضارۃ جدہ، طبع اول، 2003ء، ص505

[65] سورۃ الکافرون: 6

9 خلاصہ بحث

انسانیت کو دنیاوی واخروی کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے اسلام ریاست وحکومت کا ایک بہترین نظام وضع کرتا ہے۔ یہ نظام افراد کی تمام دنیاوی ضروریات کی تکمیل کے ساتھ ساتھ اخلاقی اقدار کی بدولت اخروی فلاح وبہبود کا بھی ضامن ہے۔ آپ ﷺ نے اسلام کے اسی نظام کی بنیاد پر مدینہ میں ریاست کی بنیاد رکھی جسے پہلی فلاحی ریاست ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ خداداد صلاحیت اور رہنمائی کی بدولت آپ ﷺ نے دنیا کو ایسے نظمِ سلطنت سے متعارف کروایا جہاں فرد کی آزادی اور حقوق کا خیال رکھا گیا۔ بلاامتیاز عدل وانصاف کے تمام تقاضوں کو پورا کیا گیا جس کے نتیجے میں جرائم اور ہر قسم کے ظلم واستحصال کا خاتمہ ہوا۔ آپ ﷺ کی بہترین حکمتِ عملی مسائل کے خاتمہ کے ساتھ ریاست کے استحکام اور ترقی میں معاون بنی۔ ریاستِ مدینہ کا اس نہج پر مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ آج کی مہذب دنیا جن حقوق کا راگ الاپتی اور ان کے تحفظ کی دعویدار ہے چودہ صدیاں قبل قائم ریاستِ مدینہ ان حقوق کی فراہمی یقینی بنا کر عدل وانصاف کے تمام تقاضے پورے کر چکی ہے۔ عصرِ حاضر میں کسی بھی ریاست کی اس نہج پر تشکیل ریاستی ترقی واستحکام کے ساتھ انسانی فلاح وبہبود کی ضمانت ہے۔

10 تجاویز وسفارشات

أ. ریاستِ مدینہ کے ماڈل کی پیروی کے ساتھ ساتھ نئی نسل کو اسلامی سیاسی نظام سے روشناس کرانے کے لیے ریاستِ مدینہ کے نظام اور تعلیماتِ نبوی ﷺ کو تعلیمی نصاب کا حصہ بنایا جانا چاہیے۔

ب. قرآن وسنت کی روشنی میں قانون سازی کا عمل یقینی بنایا جائے اور خلافِ اسلام قوانین کا جائزہ لے کر اسلامی قالب میں ڈھالنے کے لیے کوشش کی جائے۔

ج. امن وامان، نظم وضبط، عدل وانصاف اور بنیادی ضروریات کی فراہمی کے لیے تمام اداروں کی قانون سازی ریاستِ مدینہ کے نہج پر ضروری ہے تاکہ ادارے اپنے وظائف کما حقہ بجا لا سکیں۔

د. حکومتی افراد کو اس بات کا پابند ہونا چاہیے کہ مناصب پر افراد کے تقرر میں کسی بھی قسم کی اقرباپروری، نسلی یا لسانی حمیت کو بنیاد نہ بنائیں بلکہ ایسے افراد کو مناصب پر فائز کریں جو عہدے کی اہلیت اور امانت ودیانت کے وصف سے متصف ہوں۔

ہ. ملک میں سائنس وٹیکنالوجی کو فروغ دیا جانا چاہیے کیونکہ عصرِ حاضر میں بہت سے مصالح کی تکمیل اس کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی طرح ذرائع ابلاغ کی اہمیت کے پیشِ نظر انہیں فلاح وخیر خواہی پر مبنی استعمال کا پابند بنایا جائے۔